بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

"ایک دو سال کا خوبصورت بچہ بخار اور درد قولنج میں مبتلا تھا۔ اس کی تکلیف اور اضطراب کو سخت سے سخت دل انسان بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ رفع تکلیف کے لیے کبھی وہ اپنے ماں باپ کی طرف دیکھتا اور کبھی ڈاکٹر کے سامنے کڑوی کسیلی دوا کے لیے منہ کھولتا۔ اسی تکلیف میں ایک دن رات رہ کر وہ ہمیشہ کے لیے اپنے ماں باپ سے رخصت ہو گیا۔ اس کو کرب اور نزع کی حالت میں دیکھ کر دل میں سوال پیدا ہوا کہ رب رحیم و کریم جو رافت اور شفقت کا منبع ہے، چھوٹے اور معصوم بچوں پر مصائب اور تکالیف کیوں وارد کرتا ہے؟ حالانکہ وہ خود کہتا ہے کہ مَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِیْدِ۔ اس میں شک نہیں کہ معصوم بچے لیث صابر ماں باپ کے لیے قیامت کے دن شافع اور موجب ثواب ہوں گے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان کو یہ تکلیف کس پاداش میں ملی اور وہ دوسروں کے فائدے کے لیے خود کیوں مصائب میں مبتلا ہوں؟ لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔"

یہ ایک کرم فرما کے خط کا اقتباس ہے۔ جو سوال ان کے دل میں پیدا ہوا ہے، قریب قریب وہی سوال مختلف صورتوں میں ہر ایسے موقع پر لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے، جب وہ موت، اور بیماری، اور نزول آفات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ وبا میں ہزاروں آدمیوں کا انتہائی بے کسی کی موت مرنا، زلزلہ میں ہزارہا گھروں کا تباہ ہونا، سیلاب میں لوگوں کا بے اندازہ مصائب و شدائد سے دوچار ہونا، مختلف قسم کی موذی بیماریوں میں لوگوں کا سخت کرب و اذیت کے ساتھ تڑپنا، غرض مصیبت اور درد والم کا نظارہ انسان کے دل میں آپ سے آپ یہ سوال پیدا کر دیتا ہے کہ وہ خدا جو رؤف اور رحیم ہے، اور وہ خدا جو اپنی ربوبیت اور اپنے کرم و فضل پر ناز رکھتا ہے، اور وہ خدا جو خود کہتا ہے کہ میں ظالم نہیں ہوں، آخر اپنے بندوں پر یہ سختیاں کیوں نازل کرتا ہے؟ اور خود اپنی ہی بنائی ہوئی مخلوق کو جسے خود اسی نے درد و الم کا احساس دیا ہے، اس طرح مصائب و آلام میں کس لیے مبتلا کرتا ہے؟ بعض لوگ تو اس مسئلہ میں یہاں تک بڑھ جاتے ہیں کہ قہر خداوندی کے ان آثار کو حق تعالیٰ کی صفت رافت و رحمت کے منافی سمجھنے لگتے ہیں، اور انھیں گمان ہونے لگتا ہے کہ معاذ اللہ خدا ایک اندھی طاقت (Blind force) ہے جس کو کسی کی راحت و اذیت کا کچھ علم نہیں۔ وہ یوں ہی بلا کسی علم کے بنانے اور توڑنے پھوڑنے میں مشغول ہے۔

جن لوگوں نے کائنات کے نظم اور ملکوت ارض و سماء پر غور کیا ہے وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کائنات علیحدہ علیحدہ مستقل الوجود اجزاء پر مشتمل نہیں ہے بلکہ وہ ایک کُل ہے جس کے تمام اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں، اور زمین کا ایک ذرہ مریخ اور عطارد کے ذرات سے ویسا ہی تعلق رکھتا ہے جیسا میرے سر کا ایک بال میرے ہاتھ کے ایک رونگٹے سے رکھتا ہے، گویا پوری کائنات ایک جسد واحد ہے، اور اس کے اجزاء میں باہم ویسا ہی ربط ہے جیسا ایک جسم کے اجزاء میں ہوتا ہے

پھر جس طرح کائنات کے اجزا میں ربط اور تسلسل ہے، اسی طرح ان واقعات میں بھی ربط و تسلسل ہے جو اس کائنات میں پیش آتے ہیں۔ دنیا کا کوئی چھوٹا یا بڑا واقعہ بجائے خود ایک مستقل واقعہ نہیں ہے، بلکہ وہ تمام کائنات کے سلسلۂ واقعات کی ایک کڑی ہے اور اس کلی مصلحت کے تحت صادر ہوتا ہے جس کو پیش نظر رکھ کر خداوند عالم اپنی اس غیر محدود سلطنت کو چلا رہا ہے۔ اب یہ امر قابل غور ہے کہ جس شخص کی نظر پوری کائنات پر نہیں بلکہ اس کے ایک ایسے حقیر حصے پر ہے جس کو کل کے ساتھ اتنی نسبت بھی نہیں جتنی ایک ذرہ کو آفتاب کے ساتھ ہوتی ہے، اور جس شخص کے سامنے واقعات عالم کا پورا سلسلہ نہیں ہے بلکہ اس سلسلے کی بے حد و حساب کڑیوں میں سے محض ایک دو یا چند کڑیاں ہیں، اور جو شخص کائنات کے اس حقیر حصے اور واقعات کی ان چند کڑیوں میں بھی صرف ظاہری سطح کو دیکھ رہا ہے، باطنی حقائق تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ اس کے پاس نہیں، کیا ایسا شخص کسی جزئی واقعے کو دیکھ کر اس کی حکمت و مصلحت کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے کا اہل ہو سکتا ہے؟ اور اگر وہ کوئی رائے قائم کرنے کی جراءت بھی کرے تو کیا اس کی رائے صحیح ہو سکتی ہے؟

کائنات کا نظام اور خدا کی خدائی تو خیر اس قدر وسیع ہے کہ اس کے تصور ہی سے ہمارا ذہن تھک جاتا ہے لیکن آپ ایک چھوٹے پیمانے پر کسی انسانی سلطنت ہی کو لے لیجیے۔ جو شخص کرسی وزارت یا تخت شاہی پر بیٹھا ہوا ایک بڑی سلطنت کا انتظام کر رہا ہے، وہ بھی اگرچہ ہماری ہی طرح کا ایک انسان ہے، اور فطری استعداد کے لحاظ سے ہمارے اور اس کے درمیان کوئی زیادہ بڑا فرق نہیں ہے، نیز اس کے جتنے معاملات ہیں، ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو سمجھنے اور انجام دینے کی قوت و استعداد ہم میں نہ ہو لیکن محض یہ فرق کہ وہ کرسی حکومت پر سے تمام سلطنت کے نظم و نسق کو دیکھ رہا ہے، اور ہم ایک گوشے میں اس نظم سے بالکل بے تعلق بیٹھے ہوئے ہیں، ہمارے اور اس کے درمیان اتنا

عظیم تفاوت پیدا کر دیتا ہے کہ ہم بالفعل اس کے معاملات کو نہیں سمجھ سکتے، اور اگر کوئی جزئی واقعہ ہمارے سامنے آتا ہے تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی غایت و مصلحت کیا ہے۔ پھر جب انسان اور انسان کے درمیان محض پوزیشن کے فرق سے اتنا تفاوت واقع ہو جاتا ہے، تو غور کیجیے کہ انسان اور خدا کے درمیان کتنا تفاوت ہوگا۔ درانحالیکہ یہاں محض پوزیشن کا نہیں، حقیقت کا فرق عظیم ہے۔ وہ تمام عالم پر سلطنت کر رہا ہے، اور ہم اس کی سلطنت کے ایک نہایت حقیر گوشے میں بیٹھے ہیں۔ اس کی دانش و بینش سارے عالم پر حاوی ہے، اور ہماری دانش و بینش کی رسائی خود اپنے جسم کی باطنی حقیقتوں تک بھی نہیں۔ اس کی طاقتیں بے پایاں ہیں، اور ہمارے پاس ان میں سے کوئی طاقت بھی نہیں۔ اگر اس تفاوت عظیم کے باوجود اس کے کاموں پر ہم تنقید کریں اور ان کی حکمت و مصلحت کے متعلق کوئی رائے قائم کریں تو کیا یہ تنقید اس تنقید سے کروڑ درجہ زیادہ جاہلانہ نہ ہوگی جو ایک گنوار اپنی جھونپڑی میں بیٹھ کر سلطنت برطانیہ کے معاملات پر کرتا ہے؟

اس سے بھی زیادہ واضح ایک اور مثال لیجیے۔ فرض کیجیے کہ آپ ایک باغبان ہیں۔ جو باغ آپ نے بڑی محنت سے لگایا ہے، اور جس کی ترتیب و تزئین میں آپ نے اپنی پوری مہارت صرف کر دی ہے، اس کے درختوں اور پودوں اور بیلوں سے یقیناً آپ کو محبت ہوگی۔ آپ ان کی حفاظت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے۔ ان کو بے ضرورت کاٹنا چھانٹنا یا اکھاڑ پھینکنا آپ کبھی پسند نہ کریں گے اور اگر کوئی غیر آدمی ان پر تیشہ چلائے تو آپ کو سخت ناگوار ہوگا۔ پھر آپ کو علمی طریق سے یہ بھی معلوم ہے کہ نباتات میں بھی راحت اور اذیت، رنج اور خوشی کا احساس ہوتا ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ اگر درختوں اور پودوں پر قینچی یا کلہاڑی چلائی جائے تو ان کو بھی تکلیف ہوتی ہے اور اپنے اعضاء کے کٹنے اور اپنے بچوں (پھلوں) سے جدا ہو جانے کا رنج ہوتا ہے۔ لیکن اس محبت اور اس علم کے باوجود آپ ضرورت اور باغ کی کلّی مصلحت کا لحاظ کر کے اپنے باغ میں تراش خراش کرتے ہیں۔ پتیوں اور شاخوں کو کاٹتے

چھانٹتے ہیں، پودوں کو تراش کر قلمیں لگاتے ہیں، سبزی کو کاٹ کر ہموار کرتے ہیں کچے اور پکے پھل حسب ضرورت اتار لیتے ہیں کھلے اور بن کھلے پھول توڑ لیتے ہیں، غیر ضروری پودوں کو اکھاڑتے ہیں، اور سوکھے ہوئے درختوں کو کاٹ پھینکتے ہیں۔ اگر درختوں اور پودوں اور بیل بوٹوں کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ سب کچھ سراسر ظلم ہے۔ اگر ان میں گویائی ہوتی تو وہ کہتے کہ یہ باغبان کیسا بے درد اور ظالم ہے کہ ہمارے اعضاء کی قطع و برید کرتا ہے، ہمارے بچوں کو ہم سے چھین لیتا ہے، چھوٹے چھوٹے پودوں کو جنھوں نے ابھی زندگی کی ایک بہار بھی نہیں دیکھی تھی، اکھاڑ پھینکتا ہے ننھی ننھی کلیوں کو توڑے جاتا ہے، نہ بوڑھوں کو دیکھتا ہے نہ بچوں اور جوانوں کو۔ بس کاٹنے سے کام ہے، اور کبھی تو ظالم ایک مشین لے کر اس طرح چلتا ہے کہ ہماری برادری کے ہزاروں افراد کا بیک وقت صفایا کر ڈالتا ہے۔ کیا ایسا شخص شفیق و مہربان ہو سکتا ہے؟ کیا اس کے دل میں محبت اور رحمت و رافت کے پاکیزہ جذبات ہو سکتے ہیں؟ ہم تو اس کی کانٹ چھانٹ اور اکھیڑ پچھاڑ میں کوئی مصلحت بھی نہیں دیکھتے ہمیں تو یہ ایک اندھا بے حس، سنگ دل وجود معلوم ہوتا ہے جو بغیر کسی علم و حکمت، مصلحت اور غرض و غایت کے کبھی ہم کو پانی دیتا ہے، اور کبھی ہم پر قینچی چلاتا ہے، کبھی ہم کو کھاد بہم پہنچاتا ہے، اور کبھی ہمیں کلہاڑی سے کاٹ پھینکتا ہے، کبھی دوسروں سے ہماری حفاظت کرتا ہے، اور کبھی ہمیں خود اپنے ہاتھوں اکھاڑ ڈالتا ہے، کبھی بیماریوں میں ہماری امداد کرتا ہے، اور کبھی خود ایک مشین لے کر ہمارا قتل عام کر دیتا ہے۔

اگر درخت آپ کے انتظام پر یہ نکتہ چینی کریں تو آپ کیا کہیں گے؟ یہی نا کہ ان کی نظر محدود ہے، وہ صرف اپنے وجود اور اپنے قریبی تعلقات کو دیکھتے ہیں، مگر میری نظر وسیع ہے میں باغ کی کلی مصلحت کو دیکھتا ہوں، وہ صرف اپنے پھل پھول، پتوں اور شاخوں سے دلچسپی رکھتے ہیں،

بہت بڑھے تو اس پاس کے پودوں اور درختوں سے محبت اور ہمدردی کے تعلقات پیدا کرلیئے مگر میرے پیش نظر پورے باغ کی بہتری ہے اور میں مجموعی طور پر سب کی صلاح حال کے لیے عمل کر رہا ہوں ہر نادان درخت اور بوٹا یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ سارا باغ صرف اس کی ذات اور اس کے دوستوں اور عزیزوں کے لیے لگایا گیا ہے اور باغ میں اسی کا مفاد قابل لحاظ ہے لیکن میں نے دراصل ان کو باغ کے لیے لگایا ہے اور انکی ذات سے مجھکو جو کچھ دلچسپی ہے اپنے باغ کی خاطر ہے جس حد تک باغ کی بہتری کے لیے مناسب اور ضروری ہے میں ہر درخت اور ہر پودے اور ہر بیل بوٹے کی حفاظت اور پرورش کرتا ہوں۔ مگر جب باغ کی مصلحت متقاضی ہوتی ہے تو میں ان میں کاٹ چھانٹ، تراش خراش، اور اکھیڑ پچھاڑ سب کچھ کرتا ہوں کیونکہ باغ کا مجموعی مفاد میرے نزدیک ہر پودے اور ہر درخت اور بیل بوٹے کے شخصی مفاد سے زیادہ قیمت رکھتا ہے۔ یہ گمان کرتے ہیں کہ میں دشمنی کی راہ سے ان پر ہاتھ صاف کرتا ہوں لیکن یہ محض ان کی نادانی اور تنگ خیالی ہے۔ ان میں اتنی صلاحیت نہیں کہ باغ کے معاملات اور اس کے مصالح کو سمجھ سکیں ان کے پاس صرف اپنی تکلیف کا احساس، اور اپنی راحت اور زندگی کی خواہش ہے۔ جب ان کی خواہشات اور احساسات کو صدمہ پہنچتا ہے، تو یہ بے صبر ہو جاتے ہیں اور مجھ پر ظالم ہونے کا شبہ کرنے لگتے ہیں۔ مگر حقیقت ان کے گمان تابع نہیں ہے، ان کے سمجھنے سے میں در حقیقت ظالم نہیں ہو سکتا۔ اور ان کی خاطر میں اپنے باغ کے انتظام کو نہیں بدل سکتا۔

اس چھوٹی سی مثال کو جب آپ پھیلا کر دیکھیں گے تو آپ کو اپنے بہت سے گلوں شکووں کا جواب مل جائے گا۔

کائنات کے نظم پر جب ہم غور کرتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اس زبردست کارخانہ کو بنانے اور چلانے والا یقیناً ایک ایسا وجود ہونا چاہیے جو کمال درجہ حکیم و دانا اور علیم و خبیر ہو۔

جس نے ہم میں خواہشات پیدا کی ہیں، ممکن نہیں کہ وہ ہماری خواہشات سے بے خبر ہو جس نے ہم میں احساسات پیدا کیے ہیں، ممکن نہیں کہ وہ ہمارے احساسات سے ناواقف ہو جس نے بچے کو پیدا کیا ہے، اور بچے کی پرورش کے لیے ماں کے دل میں محبت پیدا کی ہے، وہ ضرور جانتا ہے کہ بیماری اور موت سے بچے کو کیا تکلیف ہوتی ہے اور ماں باپ کے دل کو کیسا صدمہ پہنچتا ہے لیکن جب یہ سب کچھ جاننے اور ہم سے زیادہ جاننے کے باوجود اس نے بچے اور ماں باپ کو یہ اذیت دینا گوارا کیا، جب ہمارے احساسات سے باخبر ہونے کے باوجود اس نے ان کو پامال کرنا پسند کیا، جب ہماری خواہشات کا علم رکھنے کے باوجود اس نے ان کو پورا کرنے سے انکار کیا، تو ہم کو سمجھنا چاہیے کہ ایسا کرنا یقیناً ناگزیر ہی ہوگا، اور اس علیم و خبیر کے علم میں اس سے بہتر کوئی دوسری صورت نہ ہوگی، ورنہ وہ اُس بہتر صورت کو اختیار کرتا کیونکہ وہ حکیم ہے، اور حکیم کے حق میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ اگر بہتر تدبیر ممکن ہو تو وہ اسے چھوڑ کر بدتر تدبیر اختیار کرے گا۔ اس میں شک نہیں کہ اس کی حکمتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، اور نہیں آسکتیں، اس لیے کہ ہماری نظر پورے نظام عالم پر نہیں ہے، اور ہم نہیں جان سکتے کہ نظام عالم کے مصالح کیا ہیں، اور ان کے لیے کس وقت کونسی تدبیر ضروری ہے لیکن، اگر اجمالی طور پر ہم اللہ تعالیٰ کی حکمت و دانائی اور اس کے علم کامل پر صحیح اعتقاد رکھتے ہوں، تو ہر آفت کے نزول پر ہم سمجھ لیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اسی کی متقاضی ہوگی، اور اس کے علم میں ایسا ہی مناسب ہوگا، اور ہمارے لیے بجز تسلیم و رضا کے اور کوئی چارہ نہیں۔

پھر ایک دوسری بات جو غور و فکر سے ہم کو معلوم ہوتی ہے، یہ ہے کہ جو ہستی کائنات کے اس نظام کو چلا رہی ہے، اس کی پوری توجہ خیر کی جانب ہے، اور اس خیر میں جو امور ہم کو شر اور فساد نظر آتے ہیں، وہ دراصل اعتباری شرور ہیں، یعنی افراد و اشخاص کی طرف قیاس کرتے ہوئے

ان کو شرور کہا جاسکتا ہے، مگر حقیقت میں وہ سب خیر کلی ہی کے لیے ہیں، اور ان کا وقوع دراصل خیر کلی کے حصول کا ایک ناگزیر وسیلہ ہے۔ اگر یہ شرور ناگزیر نہ ہوتے، اور ان کے بغیر خیر کلی کا حصول ممکن ہوتا تو خدائے حکیم و علیم ان کو اختیار نہ کرتا، اور کوئی دوسرا نظام تجویز کرتا۔ خود ہم اپنی کمزوریوں اور نارسائیوں کے باوجود جب گہری نظر سے دیکھتے ہیں تو ہماری عقل حکم لگاتی ہے کہ کائنات کے لیے اس سے بہتر نظام ممکن نہیں ہے، اور کوئی ایسا نظام تجویز نہیں کیا جاسکتا جو ان جزوی و اعتباری شرور سے یکسر خالی ہو۔ بلکہ اگر یہ شرور واقع نہ ہوں تو حقیقت میں ان کا عدم ایک بڑا شر ہوگا، کیونکہ وہ ایک خیر جزئی کی خاطر بہت سے خیرات کے حصول کو روک دے گا۔ مثال کے طور پر موت ہی کو لیجیے جس پر انسان سب سے زیادہ واویلا کرتا ہے۔ ایک شخص کی موت کتنے اشخاص کے لیے زندگی کا راستہ صاف کرتی ہے؟ اگر ایک شخص کو زندگی کا پروانہ دیدیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ بہت سے اشخاص پر زندگی کا دروازہ بند کردیا گیا۔ اس کی زندگی اگر خیر ہے تو صرف اس کی ذات کے لیے۔ لیکن خیر کلی کے اعتبار سے وہ شر ہوگی۔ بخلاف اس کے اس خاص شخص کی موت صرف اس کے لیے ایک جزئی شر ہے، لیکن یہی شر بہت سے جزئی خیرات کے حصول کا ذریعہ بھی ہے۔ رہا خیر کلی تو اس خاص شخص کے مرجانے سے اس میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا، کیونکہ نظام عالم میں اس کی موت سے کوئی خلل نہیں آتا۔

اسی مثال پر قیاس کرکے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اشخاص پر جتنے مصائب نازل ہوتے ہیں وہ سب ایک اعتبار سے شر ہیں، اور دوسرے اعتبار سے وسیلۂ خیر، اور خیر کلی کے لیے ان کا وقوع ناگزیر ہے۔ بسا اوقات ہم خود غور کرکے ان کے وسیلۂ خیر ہونے کی جہت کو سمجھ لیتے ہیں، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تجربہ سے ہم پر ثابت ہوجاتا ہے کہ جس چیز کو پہلے ہم نے شر سمجھا تھا وہ حقیقت میں سبب خیر تھی۔ لیکن اگر کبھی کسی شر کی جہت خیر ہماری سمجھ میں نہ آئے، تب بھی ہم کو مجملاً اس حقیقت پر ایمان رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے بہتر کرتا ہے، اور ہماری خیریت اسی میں ہے کہ اس کی قضا کے آگے سر جھکادیں۔

خواہ اس کے فعل کی لِم ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

ہمارے محترم نے جو سوال آخر میں پیش کیا ہے وہ ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔ بچے قیامت کے دن اپنے صابر ماں باپ کے لیے موجب ثواب ہوں گے۔ صرف اس لیے کہ ماں باپ نے ان کی موت جیسی مصیبت پر بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، اور قضاءِ الٰہی کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا، اور اپنے ایمان میں فرق نہ آنے دیا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ محض ماں باپ کو یہ فائدہ پہونچانے کے لیے بچوں کو ہلاک کرتا ہے۔ بچوں کی ہلاکت تو خدا ہی جانتا ہے کہ کن حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر ہوتی ہے۔ البتہ جب وہ واقع ہو جاتی ہے، اور ماں باپ اُس پر صبر کرتے ہیں، تو اس صبر کی جزا ان کو خدا کے ہاں عطا کر دی جاتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان کوئی مقصدی تعلق نہیں ہے۔ جیسا کہ سائل نے گمان کیا ہے۔